کے باوجود مرحوم میں انتہائی انکساری بھی تھی۔ عزیز و اقارب کے یہاں آمد و رفت اُن کا معمول تھا وہ سب کے ساتھ محبت و شفقت اور عزت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ محلہ والوں کے ساتھ بھی اُن کا برتاؤ ایک مثالی برتاؤ رہتا تھا۔ بازار سے متعلق گھر کے تمام کام (مرحوم) خود کیا کرتے تھے بلکہ اہلِ محلہ کے کام انجام دینے میں بھی انھیں کوئی تکلف نہیں ہوتا تھا ــــــ اس کا اندازہ سید سلیمان ندوی کے اس آرٹیکل سے کیجئے جو انھوں نے مرحوم مفتی صاحب کی وفات پر معارف میں لکھا تھا۔

سونی رہے گی مسند افتاء دیر تک اہلِ نظر میں تھا جو نمایاں گذر گیا

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کی تعلیم کا آغاز مکتب سے ہوا ہے، بے پناہ ذہانت، استاد اور خدا ترس والدین کی توجہ اور دُعا کی برکت سے بہت جلد ناظرہ قرآن مکمل کر لیا۔ اور پھر فوراً ہی حفظ کا سلسلہ شروع کرا دیا گیا۔ اس کی تکمیل بھی توقع سے پہلے ہی ہو گئی چنانچہ مولانا جلیل صاحب کیرانوی علویؒ نے جب دیوبند میں پہلی محراب سُنائی تو مفتی صاحب نے ان کی سماعت کی مولانا جلیل احمد صاحبؒ حضرت شیخ الہند صاحبؒ کے یہاں گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے رہتے تھے اور مفتی صاحب کے بے تکلف دوست اور ہم جماعت تھے۔ اس کے بعد چھوٹی مسجد میں مفتی صاحب نے تراویح میں قرآن پاک سُنایا حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کی ہدایت کے بموجب مفتی صاحب روزانہ قرآن کریم میرے دادا اور اپنے ماموں حضرت مولانا عبد السمیع صاحب مرحوم کو سُنایا کرتے تھے اور اس کی پابندی کیا کرتے تھے۔ اسی لئے اُنھیں قرآن پاک بہت عمدہ یاد تھا اور پڑھنے کا انداز بھی نہایت دلکش تھا۔ آخر زمانہ تک آپ کا معمول تہجد میں قرآنِ پاک پڑھنے کا رہا ہے ــــــ آپ کی شادی خاندان کے بزرگ محمد ہاشم صاحب جن کے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا محمد قاسم تھے جو لاولد رہے تھے، ان کی سب سے بڑی لڑکی کنیز فاطمہ سے ۱۶ ربیع جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ مطابق ۲ مارچ ۱۹۱۸ء کو ہوئی۔ آپ کو حجِ بیت اللہ کی ۲ دو مرتبہ سعادت بھی نصیب ہوئی ہے۔ اور اپنے والد صاحب کی ہدایت پر ہی ابتدائی کتابیں حضرت مولانا عبد السمیع صاحب سے پڑھیں۔ قرآنِ کریم اور اردو و فارسی کی تعلیم سے فراغت کے بعد عربی کا سلسلہ شروع ہوا تعلیم کا یہ سفر بھی خوش اسلوبی اور نیک نامی کے ساتھ چند سالوں میں پورا ہو گیا۔ اس سفر کے ساتھیوں میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب حضرت مولانا بدر عالم صاحب

میرٹھی اور حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی وغیرہ حضرات ہے تھے۔

یوں تو ہر سال ہی دار العلوم دیوبند سے اچھے فاضلین کی معتدبہ تعداد ہوتی تھی لیکن مفتی صاحب جس جماعت میں شریک تھے، یہ جماعت من حیث الجماعت اعلیٰ استعداد کے افراد پر مشتمل تھی۔ اور مفتی صاحب اپنے چند رفقاء کے ساتھ سر فہرست تھے۔ ان حضرات کو محدث عصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رہ کی شاگردی کا شرف حاصل رہا ہے، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ علم و فضل کے جس بلند مقام پر فائز تھے، وہاں تک لوگوں کی نگاہ بھی بہ مشکل سے ہی پہنچتی تھی۔

افسوس ہے محدث دوراں گذر گیا   شب زندہ دار صاحب ایماں گذر گیا

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے چونکہ ایک علمی گھرانے میں تربیت پائی اور بعد میں انھیں ادبی ماحول بھی ملا اور عظیم اساتذہ سے اکتساب علم کا زریں موقع بھی ان سب باتوں نے ان کی شخصیت میں رکھی ہوئی مختلف النوع صلاحیتوں کو ابھارنے اور انھیں صحیح سمت دینے میں رہنمایانہ کردار ادا کیا۔

طالب علمی ہی کے زمانہ میں مرحوم نے علم و ادب میں مشغولیت کے ساتھ ساتھ ملکی و سیاسی معاملات میں بھی دلچسپی لینی شروع کردی تھی۔ اسی زمانہ میں مفتی صاحب نے دار العلوم دیوبند میں جمعیۃ الطلباء قائم کی۔ اور پھر ان کی سرگرمی عمل کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ جمعیۃ الطلباء نے سیاسی تحریکوں میں پورے شعور کے ساتھ حصہ لیا اور خاصا کام انجام دیا ——— آپ کی تعلیم ۱۳۲۴ھ سے شروع ہوئی اور ۱۳۴۱ھ میں آپ دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوئے ۱۳۴۲ھ میں فنون کی تعلیم حاصل کی۔ ہم اسی کے ساتھ اُن کا تعلیمی نقشہ بھی پیش کریں گے۔ آپ نے کونسی کونسی کتاب کس سن میں پڑھی اور کتنے کتنے نمبرات حاصل کیے۔ آخر میں پورا تعلیمی نقشہ پیش کیا جائے گا۔ اور خاص بات ۱۳۴۱ھ میں آپ دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوئے اور اوّل نمبر کی کامیابی حاصل کی۔ اور ۱۳۴۳ھ میں دار الافتاء میں معین مفتی کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا اور اسی کے ساتھ معین المدرس بھی بنا دیے گئے۔

۱۳۴۶ھ میں اندرون دار العلوم انقلابی کیفیات پیدا ہوئیں (جن کی تفصیل میں جانے کا

موقع نہیں) جس کے نتیجہ میں اپنے استاذ محترم کی معیت میں دار العلوم کو چھوڑ کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات چلے گئے۔ جہاں پوری لگن اور احساس ذمہ داری کے ساتھ پانچ سال تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ذمہ داران مدرسہ نے آپ کی علمی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے دار الافتاء کی خدمات بھی سپرد کر دیں، جسے مرحوم نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ تقریباً چار پانچ سال تک سرانجام دیا۔ اور دورہ حدیث کا سبق بھی۔ آپ شروع ہی سے ہندوستان کی تحریک سے وابستہ رہے، چنانچہ جب گاندھی جی نے نمک کی تحریک شروع کی تو ڈانڈی مارچ سے قبل آپ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مرحوم کے ہمراہ گاندھی جی سے ملے اور گاندھی جی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بتلائی جس میں نمک، گھاس اور پانی وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ اس موضوع پر موصوف نے بڑی طویل گفتگو کی۔ چنانچہ گاندھی جی نے اس زمانے کے اخبار (ینگ انڈیا) میں اس سلسلہ میں جب آرٹیکل لکھا تو اس بات کا بالخصوص تذکرہ کیا۔ اور مسلمانوں کے مذہبی نقطۂ نگاہ کو اس حدیث کی روشنی میں اپنی تحریک کی تائید میں بڑے مؤثر طریقے سے پیش کیا۔

اسی زمانے میں بارڈولی میں ٹیکس کی عدم ادائیگی کی مہم شروع ہوئی اور ٹیکس ادا کرنے والوں کی جائیدادکوڑیوں کے مول فروخت ہونے لگی تو اس موقع پر آپ نے وہ تاریخی فتویٰ دیا جس میں فرمایا تھا: مسلمان اگر اپنے بھائیوں کی کچھ مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ ان کی جائیداد کی نیلام کی بولی میں حصہ نہ لیں۔ یہ ظلم کی کھلی ہوئی حمایت ہے چنانچہ یہ فتویٰ ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا گیا اور اسی بنا پر بے شمار مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا۔ آپ پر بھی اس سلسلہ میں مقدمہ چلانے کا مسئلہ زیر غور تھا کہ اچانک حکومت سے گاندھی کا معاہدہ ہو گیا اور یہ بات آئی گئی ہوگئی لیکن اس فتویٰ کی بدولت، جامعہ ڈابھیل کو خیرباد کہنا پڑا۔ اس کے بعد ۱۳۴۹ھ کے شروع میں دیوبند تشریف لائے حسن اتفاق ہے کہ کلکتہ کے نامور تاجر شیخ فیروز الدین نے کولوٹولہ کی مسجد میں ایک درسگاہ بنوائی تھی اور اس میں ایک مفسر قرآن کی شدید ضرورت تھی بنا بر حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ کو لکھا کہ یہ خط نہیں بلکہ تار سمجھئے اور آپ اپنے اعتماد کا آدمی بھیجئے جو یہاں پر درس قرآن کی خدمت انجام دیدے۔ تو فوراً مفتی صاحب کو کلکتہ کے لئے روانہ کر دیا۔

وہاں پر تقریباً پانچ سال قیام رہا۔

۱۳۵۸ھ میں کانگریس کی تحریک کے سلسلہ میں بنگال میں بڑا کام کیا پھر کلکتہ میں فلسطین کانفرنس ہوئی، اس کی صدارت بھی آپ نے فرمائی۔ کلکتہ کے قیام کے دوران ہی مرحوم نے یہ عزم کرلیا تھا کہ ملازمت سے قلادہ تو اب ہمیشہ کے لئے گردن سے نکال کر پھینک دینا ہے۔ چنانچہ آپ اس جذبہ کے تحت دہلی تشریف لے آئے اور ۱۹۳۸ء میں ندوۃ المصنفین کے جامع نام سے ایک ادارہ کی بنیاد رکھی۔ اور اسی دوران ماہنامہ برہان بھی نکالنا شروع کردیا۔ یہ دونوں کام بجائے خود انتہائی مشکل تھے اور پھر کم مائیگی کی صورت میں تو اور بھی زیادہ مشکل تھے بعض دوستوں نے منع بھی کیا کہ مفتی صاحب جو کام آپ لیکر چلے ہیں اُن کی اہمیت کا شاید آپ کو اندازہ نہیں ہے۔ کام شروع کردینا تو آسان ہے لیکن اس کو باقی رکھنا اور آگے بڑھانا بہت مشکل ہے ـــــ لیکن مفتی صاحب کو اپنی علمی وادبی اور انتظامی صلاحیتوں پر بھرپور بھروسہ تھا۔ اور وہ اس حقیقت سے واقف تھے۔

کوئی منزل بھی تو مشکل نہیں انساں کیلئے
عزم کامل ہو تو ہر راہ سے گذر جاتا ہے

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی اور مولانا بدر عالم صاحب، وغیرہ رفقاء کے تعاون سے ندوۃ المصنفین بہت جلد ایک باقاعدہ ادارہ بن گیا، اور اس سے معتبر کتابیں منظرِ عام پر آنے لگیں۔ آج ہمارے سامنے سیکڑوں کتابیں ہیں جو اس عظیم ادارہ سے شائع ہوئی ہیں اور جن کی افادیت اور اہمیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ماہنامہ برہان مفتی صاحب کی حیات تک ایک معیاری رسالہ کی خصوصیات کے ساتھ پابندی سے شائع ہوتا رہا ہے۔ اور آج بھی مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے عمید الرحمٰن صاحب اس کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

۱۹۴۷ء کے خونی ہنگاموں میں مفتی صاحب کا ندوۃ المصنفین بھی جلاکر خاک کردیا گیا تھا جس میں لاکھوں روپے کا نقصان ہوا تھا۔ درحقیقت یہ اتنا بڑا اور بھیانک حادثہ تھا کہ مفتی صاحب کی جگہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو ہمیشہ کے لئے شکست خوردہ ہوکر رہ جاتا لیکن مفتی صاحب

کو قدرت نے زبردست حوصلہ عطا فرمایا تھا۔ وہ پست ہمت نہیں ہوئے۔ مایوسی اُن کے یہاں کوئی چیز نہیں تھی۔ یہ آگ اسلامیہ قرولباغ میں پیش آیا تھا۔ مفتی صاحب جامع مسجد کے علاقہ میں منتقل ہوگئے۔۔۔

اور خدا کے بھروسہ پہ پھر ندوۃ المصنفین کا کام شروع کر دیا۔ قدرت اپنے بلند ہمت بندوں کی ضرور مدد کرتی ہے۔ چنانچہ چند ہی سال میں یہ ادارہ پھر ترقی کی راہ پر آگیا۔ واقعہ یہ ہے کہ مفتی صاحب بہت وسیع النظر انسان تھے۔ انھیں اپنے طبقے میں خامیوں کا شدت سے احساس تھا۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے دینی ادارہ خصوصًا دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور و جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تصنیف و تالیف اور مضامین لکھنے کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔

ادبی و صحافتی میدان میں دوسرے لوگ چھا رہے ہیں۔ یہ ایک افسوس ناک پہلو ہے۔ میں اس کمی کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ اُن کا پروگرام یہ بھی تھا کہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ کو زیادہ وسیع کر دیا جائے اور ایک شعبہ ایسا قائم کیا جائے جس میں فضلائے مدارس کو موجودہ تقاضوں کے مطابق اُردو مضامین لکھنے کی مشق کرادی جائے۔ اور اس سلسلہ میں تجربہ کار ادیبوں سے مدد لی جائے۔ نیز ہمارے فضلاء مدارس علوم عصریہ سے بھی قطعًا ناواقف رہتے ہیں جس کی وجہ سے اُن کو وہ مقام نہیں ملتا جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔ کم از کم انگریزی اور ہندی زبانیں تو انھیں آنی ہی چاہئیں مگر افسوس مفتی صاحب کا یہ حسین خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا۔ تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں خود مفتی صاحبؒ کی کوئی کتاب سامنے نہیں آئی۔ غالبًا اس کی وجہ ادارہ کے نظم کو چست رکھنے میں ان کی مصروفیات مانع رہیں۔

دوسرے بہت سے علمی و سماجی اداروں اور تحریکوں، مسلم تنظیموں میں شمولیت نے انھیں یکسو نہیں رہنے دیا۔ اور تصنیف و تالیف کا کام بالکل یکسوئی چاہتا ہے۔ ویسے جب کوئی مضمون لکھتے تھے تو بہت اچھا لکھتے تھے۔ ابتداءً برہان کے اداریے مرحوم نے ہی لکھے ہیں وہ مصنف تو نہیں تھے لیکن مصنف گر تھے۔ انھوں نے کتنے ہی لوگوں کو مصنف و مؤلف بنا دیا۔ کتنے ہی لوگوں کو مضمون لکھنا سکھا دیا۔ مفتی صاحب کے مزاج میں متانت بھی تھی شرافت بھی۔ وضع داری بھی تھی

اور جرأت و ہمت بھی۔ ان میں حق گوئی بھی تھی خلوص و محبت صلہ رحمی بھی۔ ایسی خصوصیات نے اُن کی شخصیت کو ایک عظیم شخصیت بنا دیا تھا۔ وہ کبھی کسی کو مایوس کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ ہر ممکن حد تک تعاون کرنا اور اپنوں اور غیروں سب کے کام آنا اُن کا مزاج تھا، اُن کی فطرت تھی گفتگو ... وہ کبھی برتری کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے جس سطح کا آدمی اُن سے مخاطب ہوتا تھا اُسی کی سطح پر آکر گفتگو کرتے تھے۔ اُن سے بات کرتے وقت بالکل احساس نہیں ہوتا تھا ہم بہت بڑے آدمی سے گفتگو کر رہے ہیں۔ وہ اپنے چھوٹوں کو بولنے کا موقع دیتے تھے اُن کے جذبات و خیالات معلوم کرتے تھے۔ اپنے غریب رشتہ داروں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔

شعبان ۱۳۶۷ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بنا دیے گئے اور مرحوم ایک طویل زمانہ تک برِ اعظم ایشیا کی عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے مؤثر رکن رہے ہیں۔

آپ کے مشورے دارالعلوم کے لئے ہمیشہ مفید ثابت ہوئے ہیں۔ وہ دارالعلوم یا کسی بھی علمی اداروں میں وراثت کے سخت مخالف تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ ادارے ملی ادارے ہیں، یہ باہمی مشوروں ہی سے چلنے چاہئیں۔ اُن میں میراث کا جذبہ خود غرضانہ جذبہ ہے جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مفتی صاحب نے ۱۹۴۷ء کے بھیانک فساد میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کے دوش بدوش رہ کر مظلومین کی زبردست مدد فرمائی ہے۔ اپنے آپ کو شدید خطروں میں ڈال کر انھیں حفاظتی کیمپوں میں پہنچایا، اُن کے لئے کھانے وغیرہ کے انتظامات کرائے اور جو لوگ حالات کے خونی مناظر سے گذر کر ملک چھوڑ دینا چاہتے تھے اُنھیں جمانے کی کوشش کی جس سے مسلمانوں کو کافی تقویت ملی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب انھیں اپنا دستِ راست سمجھتے تھے۔

ان پر کامل اعتماد رکھتے تھے۔ مفتی صاحب کی جرأت کا یہ عالم تھا کہ (جمعیۃ العلماء کے ... مسلم کنونشن) میں مرارجی ڈیسائی نے فرقہ وارانہ فسادات پر بولتے ہوئے مسلمانوں کی خامیاں بیان کرنی شروع کر دیں اور یہ کہ مسلمانوں کا فلاں رویہ غلط ہے۔ وہ ملک کے فساد کا خیال نہیں رکھتے ہیں اُن کا یہ طریقہ پسند نہیں وہ عمل پسند نہیں اس اجلاس میں مفتی صاحب بھی موجود تھے، کچھ دیر تو برداشت سے کام لیتے رہے اور جب دیکھا کہ مرارجی تو الزامات کا سلسلہ دراز ہی کرتے جا رہے ہیں تو آپ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ مرارجی صاحب یہ کیا طریقہ ہے آپ تو اپنے

کو ملک کا بادشاہ سمجھ رہے ہیں۔ کیا مسلمانوں کو اپنی مرضی پر چلنے کا فرمان سُنانے یہاں آئے ہیں۔ آپ کو یہ بات پسند نہیں، وہ بات پسند نہیں۔ یہ بات آپ گوارہ نہیں کرسکتے وہ بات برداشت نہیں کرسکتے۔ آخر آپ ہیں کون کہ مسلمان آپ کی مرضی اور آپ کی خواہش کی تعمیل کریں۔ آپ کی اس جرأت مندانہ اور حقیقت پسندانہ تنبیہ پر مسٹر مرارجی جو ایک نہایت مضبوط سیاسی شخصیت کے نمایاں آدمی ہیں خاموش ہوگئے اور بالکل خاموش ہوگئے۔ اور انھیں اپنے غلط اندازِ فکر کا احساس ہونے لگا۔ اس کے بعد انھوں نے ہمارے علم کے مطابق کبھی اس انداز کی تقریر نہیں کی۔ واقعہ یہ ہے کہ مفتی صاحب میں جہاں انتہائی سنجیدگی تھی وہیں اظہارِ حق کی بے پناہ جرأت بھی تھی اس لحاظ سے وہ اپنی جماعت میں ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے

جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا جشن ولادت منایا گیا تو مدعوئے خصوصی کی حیثیت سے آپ روس تشریف لے گئے اور امام صاحب مرحوم کی علمی حیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور صحیح احادیث کا ایک ایسا مجموعہ جس پر کسی طرح سے بھی شک وشبہ کا اظہار نہیں کیا جاسکتا ہے تیار کرنے کے سلسلہ میں امام صاحب مرحوم کی امکان کی حد تک جدوجہد اور اُن کے فضل وکمال پر آپ کی تقریر بے حد پسند کی گئی۔ اس اجتماع کے علاوہ بھی اسی سفر میں مفتی صاحب نے مختلف مقامات پر تقریریں فرمائیں جس کی وجہ سے روس میں آباد مسلمانوں کو دینی معلومات بھی فراہم ہوئیں اور حوصلہ بھی پیدا ہوا نیز اُن کو اپنے مستقبل کے اُفق پر روشنی بھی نظر آنے لگی۔

۱۹۷۵ء میں آپ موتمر علماء المسلمین میں شرکت کے لئے بغداد تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے عالمی سطح پر مسلمانوں کی فلاح وبہبودی اور فروغ اسلامیہ کے موضوع پر نہایت جامع تقریر فرمائی اور دُنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے اعلیٰ درجہ کے علماء سے اپنی وسعتِ نظر اور علمی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا۔ گو آج مفتی صاحب کی عظیم شخصیت ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ہم ہمیشہ کے لئے اُن کی رہنمائی اور شفقتوں سے محروم ہوگئے ہیں تاہم مرحوم نے جو نقوش چھوڑے ہیں ہم اگر چاہیں تو ان سے رہنمائی حاصل کرسکتے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے۔ افسوس اور بہت زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ مفتی صاحب کے بعد اُن کی اولاد میں کوئی بھی اُن کے علم وفضل اور ہمہ جہتی

خصوصیات کا وارث نہیں بن سکا۔ حق تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ راحت نصیب فرمائے اور اُن کی قبر پر ہمیشہ بہاروں کا سایہ رکھے اور اُن کی رحلت سے علمی دُنیا میں جو خلاء پیدا ہو گیا ہے اُسے پُر کر دے۔ (آمین، ثم آمین)

دریائے فیض و مرکز و مقبولِ خاص و عام
وہ مقتدیٰ وہ لائقِ صد عز و احترام
آغوشِ رب میں سب کا فدائی چلا گیا!
افسوس دے کے داغِ جُدائی چلا گیا!

اس کے بعد ہم آپ مفتی صاحب کا تعلیمی نقشہ پیش کر رہے ہیں جس میں ہماری مدد مولانا افضال صاحب محلہ شاہ رمزالدین، دیوبند نے فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)۔

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی دار العلوم دیوبند کی زندگی کا چارٹ

مفتی عتیق الرحمٰن ۱۳۲۴ھ		مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ۱۳۲۵ھ	
سورۂ تکاثر ناظرہ	نمبر ۵۰	سوا پارہ ناظرہ	نمبر ۴۰
مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ۱۳۲۶ھ		مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ۱۳۲۷ھ	
۵½ پارے حفظ	نمبر ۵۰	۱۲ پارے حفظ	نمبر ۴۸
مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ۱۳۲۸ھ		مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ۱۳۲۹ھ	
۲۳ پارے حفظ	نمبر ۵۰	قرآن پاک تمام حفظ	نمبر ۴۸

آپ نے پہلی مرتبہ تراویح میں قرآن پاک دیوبند کے محلہ بھولن شاہ کی مسجد میں حضرت مولانا جلیل صاحب کا سُنا اور بعدِ مغرب حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب کو سُنایا۔

آپ نے پہلی مرتبہ قرآن تراویح میں اپنی چھوٹی مسجد میں ۱۳۳۵ھ میں سُنایا۔

اور سماعت کی حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو آن کے اکثر کتابوں میں استاذ بھی ہیں۔

فارسی کا تعلیمی چارٹ

۱۳۳۰ھ		۱۳۳۳ھ	
کریما	۴۹	حساب	۵۰
حمد باری	۴۵	بوستاں	۴۹
تشریح الحروف	۴۵	مالا بدمنہ	۴۷
۱۳۳۱ھ		رقعات عالمگیری	۴۳
مفید نامہ	۵۰	رقعات امان اللہ حسینی	۴۳
انشائے اردو	۴۹	۱۳۳۴ھ	
گفتگو نامہ	۴۷	حساب	۴۸
جمع تفریق حساب	۳۲	انوار سہیلی	۴۵
۱۳۳۲ھ		اقلیدس	۴۳
حساب	۵۳	سکندر نامہ	۴۱
حکایات لطیف	۵۰	احسن القواعد	۴۰
صفوۃ المصادر	۵۰	میزان	۵۳
رقعات نظامیہ	۴۱	منشعب	۵۲
گلستاں	۴۰		

جبکہ فارسی کی تمام تعلیم مولانا محمد یٰسین صاحب دیوبندی والد ماجد مولانا مفتی شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان اور مولانا منظور صاحب والد مولانا خورشید صاحب سے حاصل کی۔

سنہ ۱۳۳۵ھ

فصول اکبری	۵۰
قال اقول	۵۰
نحو میر	۵۰
علم الصیغہ	۵۰
کبریٰ	۵۰
پنج گنج	۵۰
شرح مأتہ عامل	۵۰
صرف میر	۵۰

سنہ ۱۳۳۶ھ

تہذیب	۵۷
کافیہ	۵۳
ہدایۃ النحو	۵۲
شرح تہذیب	۵۱
قدوری	۵۱
منیۃ المصلی	۵۰

سنہ ۱۳۳۷ھ

شرح جامی بحث اسم	۵۴
شرح جامی بحث فعل	۵۴
اصول الشاشی	۵۳
قطبی تصدیقات	۵۳
میر قطبی	۵۱
نفحۃ الیمن	۵۱
شرح وقایہ اول	۵۰
کنز الدقائق	۴۸

سنہ ۱۳۳۸ھ

تلخیص المفتاح	۵۴
ہدایہ اولین	۵۰
ملا حسن	۵۰
مختصر المعانی	۵۰
میر زاہد رسالہ	۴۹
شرح عقائد نسفی	۴۳
میبذی	۴۱

سنہ ۱۳۴۰ھ

سراجی	۵۱
نخبۃ الفکر	۵۱
مشکوٰۃ شریف	۴۶
جلالین شریف	۴۶

سلسلہ ۱۳۴۱ھ

۱۳۴۱ھ

بخاری شریف	۵۲	موطا امام محمد	۵۱
مسلم شریف	۵۱	ابوداؤد شریف	۵۰
ترمذی شریف	۵۲	طحاوی شریف	۵۰
نسائی	۵۱	شمائل ترمذی	۵۰
		موطا امام مالک	۵۰
		ابن ماجہ شریف	۴۸

آپ اس سال پورے دارالعلوم میں اوّل نمبر رہے۔

۱۳۴۲ھ

توضیح تلویح	۵۳
قاضی مبارک	۵۳
بیضاوی	۵۲
تفسیر مدارک	۵۰
ہدایہ آخرین	۵۰
دیوان حماسہ	۴۸

شعبان ۱۳۴۲ھ میں فراغت ہوئی۔ اس زمانہ میں چالیس نمبر سے کم میں فیل ہوتے تھے۔ آخری نمبر ۵۰ تھے، اس کے بعد کے تمام نمبر خصوصی ہوتے تھے۔

جو کتابیں خارج میں حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب سے پڑھیں

پند نامہ	نورالانوار
مرقات منطق	ترجمہ قرآن پاک مکمل
سلم العلوم	مشکوٰۃ شریف
مقامات	

بیادگار قبلہ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر معین الدین بقائی ، ایم .بی ، بی .ایس ، ایف .سی .جی .پی ۔

یوں تو ازل سے ہی اس دنیائے ناپائیدار میں انبیا علیہم السلام کے علاوہ ایسے رہبران حق پیدا ہوتے رہے ہیں جو مخلوق کو خالق کی منشا کے مطابق مائل بعمل کرتے رہیں۔ اس صدی کے وسط میں یہ فرض اس خدمت کے لئے غالباً حضرت مفتی صاحب کے سپرد کیا گیا تھا۔

حضرت مفتی صاحب کی پوری زندگی اسلامی نمونہ عمل کی آئینہ دار رہی ہے میں نے اپنے بچپن سے لے کر مفتی صاحب کی آخری سانسوں تک ان کو دیکھا ہے، اور ہمیشہ ان کو صالح کم گو، خوش لباس، نفیس، ہمدرد، صابر اور انتہائی ضبط کا مظاہر پایا ہے۔ جن لوگوں نے مفتی صاحب کو قریب سے دیکھا ہے۔ وہ بھی یقیناً اس بات کی تائید کریں گے۔

اختلافی مسائل پر دوسروں سے بحث اور الجھنا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔ البتہ اپنا نقطۂ نظر بیان کرنے کے بعد وہ خاموشی اختیار کر لیتے، یا انتہائی نرم لہجہ میں انکار کر دیا کرتے تھے میں نے کبھی اپنی بات کی تائید میں اونچے لہجے یا سخت الفاظ میں اپنا نقطۂ نظر منواتے کبھی نہیں دیکھا۔ ایسی شکل میں وہ فیصلہ دوسروں پر چھوڑ دیتے تھے۔

ایک بار عید کے چاند کا مسئلہ تھا۔ دہلی میں رویت ۲۹ر رمضان کو نہ ہوئی۔ ۳۰ر کا روزہ رکھنا پڑا۔ صبح دس بجے معلوم ہوا کہ لکھنؤ میں عید ہو گئی۔ جامع مسجد میں میٹنگ بیٹھ گئی۔ لکھنؤ ٹیلیفون ملایا گیا۔ فون پر جن سے بات ہوئی ان سے مفتی صاحب واقف تھے، انہوں نے رویت کی تصدیق کی اور بتایا کہ آج یہاں عید ہو گئی۔ مفتی صاحب نے ٹیلیفون پر